محقق عالم کی رحلت

(حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ)

محمد اعجاز مصطفیٰ

۲۱؍ ذوالحجہ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۷؍ اکتوبر۲۰۱۳ء بروز اتوار محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے تلمیذ رشید، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار کے فاضل، مدرسہ خالد بن ولید کے استاذِ حدیث، مدرسہ ''معارفِ اسلامیہ'' رحیم یار خان کے بانی اور متعدد تحقیقی کتب کے مصنف حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ قاصدِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے عالم آخرت کی طرف روانہ ہوگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہٗ بأجل مسمی۔

حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ ۱۹۳۴ء میں انڈیا کے مشرقی پنجاب کے راجپوتانہ زون ضلع حصار کے گاؤں ہڑولی میں حضرت مولانا محمد موسیٰ رحمہ اللہ کے ہاں تولد ہوئے۔ آپؒ کے والد محترم شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے شاگرد تھے۔ اُنہیں دستارِ فضیلت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ہاتھ سے باندھی تھی۔

ناظرہ قرآن کریم اور فارسی کی ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی اور ساتھ ہی اپنے گھر کے قریب پرائمری اسکول میں تین کلاسوں تک عصری تعلیم حاصل کی۔ گاؤں کے قریب ایک مدرسہ میں دو سال تک درسِ نظامی کی ابتدائی کتابوں کا درس لیا۔ اس کے بعد مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر اور مدرسہ صادقیہ عباسیہ میں مشکوٰۃ تک کتب پڑھیں۔ دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ خیر المدارس ملتان کا سفر کیا۔ اسی دوران مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے ٹنڈوالہیار میں ''دارالعلوم الاسلامیہ'' کی بنیاد رکھی اور مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ کو شیخ الحدیث کی حیثیت سے وہاں بلالیا تو حضرت کامل پوریؒ کے شاگردوں کا بھی وہاں رجحان ہوگیا، جس میں مولانا موصوفؒ بھی تھے، چنانچہ مولانا موصوفؒ نے ۱۹۵۰ء میں ''دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار'' سے سندِ فراغ حاصل کی۔

آپؒ کے اس وقت کے اساتذہ میں حضرت کامل پوریؒ کے علاوہ محدث العصر حضرت علامہ سید

محمد یوسف بنوریؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا لطف اللہ پشاوریؒ کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔ آپؒ نے قطب وقت امام التفسیر حضرت اقدس مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ سے دورہ تفسیر بھی پڑھا تھا۔

مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ طالب علمی کے دور سے ہی جماعت اسلامی اور مودودی صاحب سے متاثر تھے، اس کی وجہ آپؒ خود ہی لکھتے ہیں کہ:

''جماعت اسلامی سے میری وابستگی کا سبب میری ابتدائی تعلیم کے استاذ (مولانا فتح الدین) تھے، جن سے میں نے عربی نصاب کا درجہ اولیٰ اور ثانیہ پڑھا تھا۔ وہ دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور مرید تھے۔ استاد ہونے کے علاوہ حضرت مدنیؒ سے تلمذ کا اعزاز میرے لیے ان کے حق وصداقت پر ہونے کی سند تھا۔ لہٰذا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے استاد محترم کسی ملحد کے ہتھے چڑھ سکتے ہیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ ڈوبنے کے لیے گھسیٹ سکتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ مودودی صاحب کے عقائد ونظریات وہی ہیں جو علماء دیوبند کے عقائد ونظریات ہیں۔ اردو کے جدید ادبی اسلوب میں مودودی صاحب کی جدید تعبیرات مغالطہ کا سبب بن رہی ہیں اور یہ مغالطے عنقریب دور ہوجائیں گے۔ مطالعہ کے لیے مجھے چند کتابچے دیئے گئے، جن کی تحریر نے مجھے بہت متاثر کیا۔ ایک طرف میں مودودی صاحب کی تحریر کو دیکھتا اور پھر استاذ محترم کی سیرت پر نظر ڈالتا تو میں حیران ہوتا کہ مودودی صاحب کی تحریر کیسے باکمال افراد پیدا کرتی ہے۔ لیکن ادھر کبھی دھیان نہ گیا کہ استاذ محترم کی سیرت مودودی صاحب کی تحریر کا ثمرہ نہیں ہے، بلکہ وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا فیضِ تلمذ ہے جو مسِ خام کو کندن بناتا ہے''۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات، ص:۱)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے آپ کی نسبت اور تعلق کے اسباب کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

''ٹنڈو الٰہیار میں حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت کا بھرپور موقع نصیب ہوا، ان سے نیاز مندانہ تعلقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے حضرتؒ کی خدمت میں اپنی علمی بے مائیگی کا ذکر کیا اور اس کی تلافی کے لیے خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی، حضرتؒ ٹنڈو الٰہیار سے کراچی تشریف لے جاچکے تھے، مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اپنا کام شروع کرنے لگا ہوں، لہٰذا انتظار کریں۔ میں انتظار میں رہا کہ آنے والے شوال میں حضرتؒ کا والا نامہ باعثِ سعادت

منڈی ہوا اور پہلی فرصت میں حضرتؒ کی خدمت عالی میں حاضر ہوگیا۔ میرے رفیق اور مخلص ترین دوست مولانا یوسف ایرانی بھی پہنچ گئے تھے، گویا میں اور مولانا یوسف ایرانی ہم دونوں وہ پہلی دوا ینٹیں ہیں جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی بنیاد میں رکھ دی گئی تھیں۔ اس کے بعد چند طلبہ اور آ گئے تو ہماری تعداد دس ہوگئی تھی۔ ہمارا درجہ ''تخصص فی العلوم الاسلامیۃ'' تھا، جس کی مدت دو سال تھی۔ درجہ تخصص کی تکمیل کے بعد جب حضرت شیخ بنوریؒ کی خدمت اقدس سے رخصت ہوا تو (حضرت بنوریؒ نے) فرمایا کہ: آئندہ سال آنے کا ارادہ ہو تو میں تدریس کے لیے جگہ رکھوں؟ میں نے عرض کیا: حضرت! میں شوال میں رابطہ کروں گا۔ یہ میری شومیٔ قسمت کی دلیل ہے، جس کا سبب میری نادانی تھی اور یہ نادانی بچپن اور جوانی کی درمیانی منزل میں سرپرستی سے محرومی کا ثمر تھی، ورنہ ۱۹۵۵ء میں جب حضرت شیخ مکرم سید بنوریؒ کی خدمت اقدس سے میں رخصت ہو رہا تھا، اس وقت میری عمر ۲۰ سال تھی، لہٰذا میرے شعور میں اتنی پختگی ہونی چاہیے تھی کہ میں حضرت کے ارشادِ گرامی پر بصد مسرت وشادمانی بلا تأمل لبیک کہتا اور حضرتؒ کی اس ذرہ نوازی پر فخر کرتا! لیکن نظریاتی نحوست نے گویا شعور فیصلہ ہی سلب کرلیا تھا۔ آج میں اپنی حرماں نصیبی پر جتنے آنسو بہاؤں بے سود ہیں۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چگ گئیں چڑیاں کھیت!''

(سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات، ص:۲)

مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ نے جماعت اسلامی کو کس طرح پایا؟ وہاں کیسے کام کیا؟ جماعت اسلامی کا ان کے نزدیک کیا تعارف ہے؟ یہ سب کچھ ان کی کتاب ''سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات'' کے حرف آغاز میں پڑھیے۔ اسی کتاب میں مولانا موصوفؒ جماعت اسلامی چھوڑنے کے اسباب میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت بنوریؒ کو ایک خط لکھا، آپؒ نے اس خط کے جواب میں فرمایا:

''اسلامی جماعت والوں کا معاملہ '' خلطوا عملاً صالحاً و آخر سیئاً '' والا ہے،
ان کے غالی مخالفین سے الگ رہنا مناسب ہے، لٹریچر کا مطالعہ کر کے فیصلہ کریں''۔

جماعت اسلامی کی جب بنیاد رکھی گئی تو ابتداءً کئی علماء کرام نے اس وقت اس کا ساتھ دیا اور اس کے بعد جب مودودی صاحب کے افکار اور سوچ ان علماء کرام پر مترشح ہوئی تو انہوں نے اس سے براءت اختیار کرلی، جیسا کہ حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور دوسرے علماء حضرات ہیں۔ حضرت نعمانیؒ نے بھی جماعت اسلامی سے اپنی وابستگی کو غلطی جانا اور اس کی تلافی کے لیے ''جماعت اسلامی سے میری رفاقت اور اس کی سرگزشت'' نامی کتاب لکھی۔ حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ اپنے استاذ وشیخ

حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرتؒ نے خود لٹریچر نہیں پڑھا تھا، مودودی صاحب کی کتاب ''سود'' اور ''پردہ'' ان دونوں کتابوں کی تعریف فرماتے تھے۔ حسن ظنی میں بنیاد بھی غالباً یہی دو کتابیں تھیں۔ مودودی صاحب کے ''منصب رسالت نمبر'' سے آپؒ کے حسن ظنی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ میں ہر سال زیارت کے لیے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں نے مودودی کے نظریۂ حدیث پر مقالہ لکھا ہے، ''بینات'' کے لیے ارسال کروں؟ حیران ہوکر فرمایا: کیا کہا؟! میں نے عرض کیا: مودودی کے نظریۂ حدیث پر مقالہ لکھا ہے۔ فرمایا: تو کیا وہ منکر حدیث ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: تو کیا آپ نے منصب رسالت نمبر پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: عجیب! عجیب! عجیب! فرمایا: پھر وہ اس کا جواب لکھیں گے! میں نے عرض کیا: بڑی اچھی بات ہے، وہ جواب لکھیں۔ فرمایا: پھر ایسا کریں کہ اس کے لیے ایک شعبہ قائم کرتا ہوں، جو مودودی کے پورے لٹریچر پر ریسرچ کرے، تاکہ صحیح صورت حال سامنے آسکے، پھر آپ کا یہ مقالہ بھی شامل کرلیں گے۔ لیکن حضرتؒ کی مصروفیات اس کی روادار نہ ہوسکیں۔ میں ایک مدت بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور اب میرے پاس مودودی صاحب کی تصنیف ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش سوم'' تھی، جو ۱۹۵۵ء کے بعد منظرِ عام سے ہٹالی گئی تھی، میں نے حضرتؒ کو اس کی کچھ عبارتیں پڑھ کر سنائیں، میں سناتا جاتا تھا اور حضرتؒ کا چہرہ سرخ ہورہا تھا اور کہہ رہے تھے توبہ! توبہ! **نعوذ باللہ! لاحول ولاقوۃ إلا باللہ!** بہت غلط لکھا ہے! بہت غلط لکھا ہے! پھر مجھ سے فرمایا کہ: یہ کتاب مجھے مہیا کرکے دو! چنانچہ واپس آکر میں نے مذکورہ کتاب کے علاوہ ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' مرتد کی سزا اور شاید ''جماعت اسلامی مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل'' حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کیں، جن میں سے حضرت نے ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' پر لکھنا شروع کیا تھا۔ کاش! حیاتِ مستعار مہلت دیتی! اور اس موضوع پر حضرت مکمل لکھ سکتے! بسا آرزو ہا کہ خاک شدہ! حضرتؒ نے مجھے تعاون کا فرمایا تھا۔ میری سب سے پہلی تصنیف ''ابو الاعلیٰ مودودی اور اسلامی نظام'' جو اکابر علماء کے ہاں بے حد مقبول ہوئی تھی، حضرت مفتی ولی حسنؒ نے پڑھی اور اس کی بہت تعریف کی۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا: میں اس کا

عربی میں ترجمہ کراؤں گا، میں حضرتؒ کی خدمت میں قدم بوسی کے لیے گھر سے تیار ہوا، لیکن پتہ چلا کہ حضرتؒ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں اسلام آباد تشریف لے گئے ہیں، وہیں جنت کا بلاوا آ گیا، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون! اور میری دنیا اندھیر ہوگئی''۔ (سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات، ص:۱۰، ۱۱)

حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ زندگی بھر اس بات کے آرزومند رہے کہ کوئی ایسا ادارہ ہو جو فکر مودودی پر مکمل ریسرچ اور تحقیق کرے، تاکہ عوام الناس اور سادہ لوح لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ فکر مودودی مسلک اہل سنت کی حسن تعبیر ہی کا نام ہے یا مسلک اہل سنت سے ہٹ کر دین کی کوئی نئی راہ ہے، اور فرماتے تھے کہ یہ ایک اہم ترین دینی ضرورت ہے۔

آپؒ زندگی بھر تدریس کے ساتھ ساتھ شعبہ تصنیف وتالیف سے بھی منسلک رہے اور آپ کے شاہکار قلم کی نوک سے دسیوں کتابیں منصۂ شہود پر آئیں اور کئی ایسی کتب ہیں جو ابھی تک مسودہ کی شکل میں موجود ہیں اور زیورِ طبع سے آراستہ ہونے کے لیے تشنہ ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو تحریر کا بہت ہی عمدہ ملکہ عطا فرمایا تھا، خصوصاً صحابہ کرامؓ کے دفاع اور ان کی صحیح تاریخ بیان کرنے میں آپ امام مانے جاتے تھے۔ آپؒ کے مختلف موضوعات پر تحریر کردہ علمی مضامین ''ماہنامہ بینات'' کی زینت بنتے رہتے تھے، جن کو قارئین بینات کا علمی حلقہ بہت زیادہ پسند کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اکابر علمائے کرام اور جید علمائے دین آپ کی تصنیفات کو بے حد پسند کیا کرتے تھے۔ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا: ''ہم نے مودودی صاحب کو دیکھا تھا، لیکن مودودی صاحب کی اصلیت آپ نے بتائی''۔

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے آپ کی تصنیف ''کیا اسلام ایک تحریک ہے؟'' کے بارے میں فرمایا کہ: ''میں سفر وحضر میں اس کتاب کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا ہوں'' اور فرماتے تھے کہ: ''جس نے مودودی صاحب کو سمجھنا ہو، وہ اس کتاب کو ضرور پڑھے''۔

قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہٗ نے فرمایا: ''آپ کی کتاب میری توقعات سے بہت اونچی ہے اور اس میں بے شمار باتیں وہ ہیں جو ہمارے علم ہی میں نہیں ہیں''۔

دورہ حدیث اور تخصص کی تکمیل کے بعد آپ نے دو سال تک رحیم یار خان میں جماعت اسلامی کے ایک اسکول ''تعمیر ملت'' میں پڑھایا۔ وہاں کے طرزِ تعلیم سے آپ مطمئن نہیں تھے، اس لیے اسکول چھوڑ کر رحیم یار خان میں ''معارفِ اسلامیہ'' کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور آپ وہاں کے مہتمم بنائے گئے۔ بعد میں علمی وتصنیفی مصروفیات کی بنا پر اہتمام کی ذمہ داری دوسرے مولانا صاحب کے سپرد کر کے خود کو تدریس، تبلیغ اور تصنیف کے شعبہ کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر دیا۔ آپ کے فیضِ

قلم سے وجود میں آنے والی بعض کتب یہ ہیں:

ا:......اصحاب محمدؐ کا مدبرانہ دفاع۔۲:......سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ۔ ۳:...... سیدنا معاویہؓ اور طائفہ ہادیہ۔۴:......امہات المؤمنینؓ پر مودودی کے الزامات۔ ۵:......ظہورِ امام مہدیؒ اور فتنۂ دجال کب اور کیسے؟۔ ۶:......آبشارِلہو۔ ۷:......حقیقت واقسام توبہ۔ ۸:......سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلامی نظریات۔۹:......کیا اسلام ایک تحریک ہے؟۔ ۱۰:......تعلیماتِ اسلامیہ کا ماضی، حال اور مستقبل۔ان میں سے کئی ایک کتب سینکڑوں صفحات پر محیط ہیں۔

حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ کا جہادِ افغانستان سے بھی خاص تعلق رہا، جس کے بارے میں آپؒ خود لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۸۷ء میں جہادِ افغانستان سے تعلق کی سعادت نصیب ہوئی، جس کے بعد جہادی نغمات لکھنے کی توفیق ہوئی، جو محض جوشِ جذبات کی کارفرمائی کا ثمرہ تھا، ورنہ شاعری سے طبعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا اور نہ کبھی کوئی شعر کہنے کی نوبت آئی، لیکن جہاد کے جوش نے جذبات کو ایسا جگایا کہ نغماتِ جہاد کا پورا دیوان وجود میں آگیا جو آبشارِلہو کے نام سے طبع ہوا...... جہاد سے متعلق مختلف موضوعات پر غیر مطبوعہ مقالات ہیں جو مختلف رسائل میں طبع ہوئے، لیکن باقاعدہ کتابی شکل میں ابھی تک نہیں آئے۔ (حقیقت واقسام توبہ، ص:۱۵۶)

حضرتؒ تمام دینی جماعتوں کی سرپرستی فرماتے تھے،کسی دینی ہم مسلک جماعت کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔طبعاً بہت زیادہ نرم تھے، آپ کو غصہ بہت کم آتا تھا۔پوری زندگی میں کبھی کسی کو تھپڑ نہیں مارا، بلکہ یوں کہیں کہ آپؒ کو تھپڑ مارنا آتا ہی نہیں تھا۔

تقریباً ۱۹۹۵ء تک آپؒ رحیم یارخان کی ایک مسجد میں خطیب رہے،اس کے بعد آپ مسجد عمر فاروقؓ میں فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔اس کے علاوہ مہینہ میں ایک ہفتہ مدرسہ خالد بن ولید ٹھینگی ضلع وہاڑی میں طلبہ کو حدیث شریف پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور آپ نے اس معمول کو ایک عرصہ تک نبھایا۔وفات والے دن بھی مدرسہ خالد بن ولید حدیث پڑھانے کے لیے تشریف لے جارہے تھے، ڈائیوو بس کی ٹکٹ بک ہو چکی تھی، آپؒ مسجد میں نماز ادا فرمارہے تھے،بس کے چلنے کا وقت قریب ہوا تو آپ کو بتایا گیا کہ بس چلنے کا وقت ہوگیا ہے، آپؒ نے فرمایا: میرے سینے میں درد ہورہا ہے، مگر سفر پھر بھی کرنا ہے۔ بیٹے مولانا اسامہ حامد نے منع کیا کہ اس حالت میں نہ جائیں، چنانچہ ٹکٹ کینسل کرائی گئی اور وہی درد بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔

بروز پیر ۲۸/اکتوبر صبح ۱۰/ بجے کے قریب مولانا پیر ناصر الدین خاکوانی مدظلہ نے آپؒ کی نمازِ

جنازہ پڑھائی، جس میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے ماہنامہ ''بینات'' کے ''ناظم'' حضرت مولانا فضل حق یوسفی صاحب مدظلہ حضرت مولانا مرحوم کے جنازہ میں شرکت کے لیے رحیم یار خان پہنچے۔ نمازِ جنازہ کے بعد چک ۲۷ کے قبرستان میں اپنے والد صاحب کے پہلو میں آپؒ کی تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں ۴/ بیٹے اور ۵/ بیٹیاں سوگوار چھوڑی ہیں۔ بڑے بیٹے مولانا اسامہ حامد اور سب سے چھوٹے بیٹے مولانا صہیب حامد عالم دین ہیں۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم، نائب رئیس حضرت مولانا سید محمد سلیمان بنوری مدظلہ، جامعہ کی انتظامیہ اور تمام اساتذہ کرام حضرتؒ کی رحلت کے غم کو اپنا غم اور آپؒ کی رحلت کو امت کے لیے ناتلافی نقصان قرار دیتے ہیں اور آپؒ کے پسماندگان سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا بشیر احمد حامد حصاریؒ کے پسماندگان، خاندان اور اعزہ واقرباء کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں، حضرت مولانا کی زندگی بھر کی حسنات کو قبول فرمائیں اور انہیں جنت الفردوس کا مکین بنائیں۔

ادارہ بینات تمام باتوفیق قارئین سے حضرتؒ کے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست کرتا ہے۔

دعائے مغفرت وایصالِ ثواب کی درخواست

برصغیر پاک وہند کے عظیم صوفی بزرگ تحریک پاکستان کے نامور مجاہد حضرت مولانا فضل محمدؒ کی بہو، جمعیت علمائے اسلام کے ضلعی سرپرست حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی کی اہلیہ، جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کے مہتمم صاحبزادہ پیر حافظ مسعود قاسم قاسمی کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں وفات پاگئیں۔ مرحومہ گردوں کے عارضہ میں عرصہ دو سال سے مبتلا تھیں۔ مرحومہ نہایت نیک سیرت، پابندِ صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کی بیعت تھی۔ ہزاروں طالبات کو دینی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ مرحومہ اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں سب کے سب عالم اور عالمہ ہیں۔ ان کی مغفرت وبلندیِ درجات کے لیے قارئین سے خصوصی دعا کی اپیل ہے۔ (ادارہ)